رہے تھے۔ اُن کے استقبال کے لیے روایتی ناچ گانے والے موجود تھے۔ سیکورٹی کے انتظامات بہت سخت تھے۔ استقبال کے لیے آنے والے سکولوں کے طلبہ و طالبات، پادریوں اور صحافیوں کے ساتھ پولیس بہت نمایاں تھی۔ پسینے سے شرابور مذہب دوست مسیحی پوپ جان پال دوم کے دورے کے حوالے سے ۳۰ ڈالر میں یادگار ریچ اور سٹکرز وغیرہ بیچ رہے تھے۔ واضح رہے کہ کینیا میں ۳۰ ڈالر ایک اوسط مزدور کی دو یا تین دن کی اُجرت ہے۔

پوپ جان پال دوم کے افریقہ کے تین ملکوں کے حالیہ دورے پر ۳ لاکھ چالیس ہزار ڈالر کے اخراجات کا اندازہ ہے۔

توقع تھی کہ نیروبی پہنچنے پر ایک مسلمان عالم شیخ علی شی پوپ کی موجودگی میں ایک تقریب میں خطاب کریں گے، مگر عین وقت پر شیخ علی شی نے بتایا کہ مسلمانوں نے رومن کیتھولک مسیحیّت اور اسلام کے درمیان صدیوں سے چلی آنے والی "مقدّس جنگ" کے سبب اُن کے دورے کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے۔ (روزنامہ "ڈان"، کراچی - ۱۹ ستمبر ۱۹۹۵ء)

مالی: نئے چرچوں کی تعمیر

مالی ۸۶ فیصد مسلم اکثریت کا ملک ہے مگر "گوسپل مشنری یونین" کے جناب ڈینس وینس کا اطلاع ہے کہ "گزشتہ دو سال سے وہ ہر مہینے مالی میں دو نئے چرچ قائم کر رہے ہیں۔" یہ نئے چرچ عام مٹی کی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں جن پر ٹین کی چھت ڈال دی جاتی ہے۔ ٹین کی چھت پر جو خرچ اٹھتا ہے (پندرہ سو ڈالر)، یہ گاسپل مشنری یونیورسٹی (کنساس سٹی) جیسی امریکی تبشیری تنظیمیں برداشت کرتی ہیں۔

ایشیا

پاکستان: لاہور ڈایوسیس میں مسیحیّت کی اشاعت

[پاسٹرل انسٹی ٹیوٹ - ملتان کے جریدہ "فوکس" کے ضمیمہ (۱۹۹۵ء/۱) میں ایک مقالہ "لاہور ڈایوسیس میں اشاعت مسیحیّت: ۱۸۸۶ء - ۱۹۸۶ء" شائع ہوا ہے۔ مقالہ نگار نے لاہور ڈایوسیس میں کیتھولک مسیحیّت کے آغاز اور بتدریج اشاعت کا جائزہ لیا ہے۔ ضمناً پروٹسٹنٹ مشنوں کے کام پر اظہارِ خیال بھی کیا گیا ہے۔ ذیل میں مقالے کے آخری حصّے کا ترجمہ جریدہ مذکورہ کے شکریے کے ساتھ

درج کیا جاتا ہے۔ مدیر]

دوسری عالمی جنگ اور اس کے معاً بعد تقسیم ہند کے نتیجے میں کیتھولک چرچ کے لیے ایک بار پھر شدید پریشانیاں پیدا ہوئیں۔ روم اور یورپ سے تمام روابط منقطع ہو گئے۔ جو غیر ملکی مشنری انتقال کر گئے اُن کی جگہ دوسرے نہ آسکے۔ مگر شاید، سب سے زیادہ پریشان کُن عُنصر "خوف" کا تھا۔ اِس بات کا خوف کہ جب، پاکستان ایک آزاد اسلامی ملک ہوگا تو ہمارا کیا بنے گا؟ کہیں مشنریوں کو یہاں حسبِ معمول قیام کی اجازت ہوگی؟ کیا اُس طرح کی اذیت ناکی تو نہ ہوگی جِس طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تھی جو باہمی قتل وغارت پر منتج ہوئی؟

لیکن خداوند نے اپنے مختصر سے "ریوڑ" کا خیال رکھا۔ صورت حال توقع سے کہیں بہتر ثابت ہوئی۔ نئی حکومت مسیحیوں کے لیے ہمدردانہ جذبات رکھتی تھی، کیوں کہ مسیحیوں نے سیاست میں کوئی حصّہ لیا تھا اور نہ ہندوؤں یا سکھوں کا ساتھ دیا تھا، بلکہ ملک کے ساتھ وفادار رہے تھے۔ جب صورتِ حال ٹھیک ہوگئی تو شعبۂ تعلیم کی جانب توجہ دی جا سکی۔

عملاً ہر مشن سٹیشن پر اسکولوں کی عمارتیں بنائی گئیں، پرائمری سکولوں کو مڈل اور مڈل سکولوں کو ہائی کا درجہ دیا گیا، بچوں کے لیے ہوسٹل بنائے گئے جن کے لیے رہائشی سہولتوں کے بغیر تعلیم کا حصول ممکن نہیں تھا۔ ان تمام کوششوں کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ اب ہزاروں کیتھولک بچے سکول جاتے ہیں اور گریجوایٹوں کی بڑی تعداد قابلِ احترام عہدوں پر فائز ہے۔ ضرورت مند طلبہ و طالبات کو وظائف بھی فراہم کیے گئے۔

بشپ روجر بائسے (Roger Bayse) نے ۱۹۵۱ء میں مائنر - سمینری کا آغاز کیا جِس سے اب تک تین بشپ اور متعدّد پادری حاصل ہو چکے ہیں۔ کیتھولک کنونشن باقاعدہ روایت بن گئے اور اِن کنونشنوں میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے تھے، اگرچہ اب تعداد گھٹتی دکھائی دیتی ہے۔

اُردو میں کیتھولک بائبل (جو پروٹسٹنٹ ترجمے سے بہتر ہے۔) برادری کے لیے باعثِ افتخار ہے۔ نوجوانوں کے کیمپ شرکاء میں باہمی یک جہتی پیدا کرنے اور اُن کی قائدانہ صلاحیّتوں کو پروان چڑھانے کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کیمپوں کا اہتمام وانصرام زیادہ تر مقامی پادریوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں مسیحی جماعتوں کی ایک اچھی تعداد نے ڈایوسیس میں شمولیت اختیار کی اور خصوصی مذہبی برکات میں اضافہ کیا۔ ان نئی جماعتوں میں ڈچ برادرز (جو چند برسوں کی اعلیٰ خدمت کے بعد چلے گئے)، دی کرائسٹ دی کنگ سسٹرز، دخترانِ صلیب، دخترانِ سینٹ پال، کنواری مریم کے فرانسسکن مبشّرین، یسوعی اور راہبانِ صغیر (Friars Minor) شامل تھیں۔

۱۹۶۰ء کے عشرے کے آخر میں صدق دلی سے اقومانی تحریک شروع ہوئی جِس کے نتیجے میں

بہت سے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کے قریب آئے۔ اب دونوں طبقوں کے درمیان پُرامن بقائے باہمی ہے اور اکثر ایک دوسرے سے دوستانہ تعاون کیا جاتا ہے۔

رہائشی سکیموں کے نتیجے میں بہت سے مسیحی شہروں میں یا اِن کے گردو نواح میں یک جا ہوئے ہیں۔ دیہاتی جنہوں نے شہروں کی طرف نقل مکانی کی ہے، اُنہیں یہاں نہ صرف محفوظ جگہ ملی ہے، بلکہ اُنہیں روحانی تعاون بھی حاصل ہوا ہے۔ ان کے اثرات کو پورے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۹۶۵ء کی بھارت - پاکستان جنگ ہمارے مسیحیوں کے لیے وفاداری کا ایک کڑا امتحان تھی۔ بہت سے (جن میں مبشّرین بھی شامل تھے) گرفتار ہوئے، بعض کو اِس لیے خراب سلوک کا سامنا کرنا پڑا کہ اُن پر بھارت کا ساتھ دینے کا شبہ تھا، تاہم سب مذہب کے ساتھ وفادار رہے۔

۱۹۷۱ء کی جنگ کے نتیجے میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان یک جہتی پیدا ہوئی اور وہ ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے لگے۔ کیوں کہ وہ پہلو بہ پہلو دشمن کے خلاف لڑ رہے تھے اور ملک کے ساتھ اُنہوں نے وفاداری کا ثبوت دیا۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں مسیحی اداروں کے قومیانے سے ہماری برادری کو سخت دھچکا لگا۔ حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ ان اداروں کی اصل شکل کو برقرار رکھا جائے گا مگر یہ ایک خالی وعدہ ثابت ہوا۔ بہت سے مسیحی اساتذہ کی لالچ اور لاابالی پن سے ہمیں دُکھ ہوا ہے جنہوں نے اپنے ذاتی مفادات کے لیے اِن اداروں کی Denationalisation کی مخالفت کی ہے۔ اُنہوں نے پوری مسیحی برادری کے فائدے کو پیشِ نظر نہیں رکھا، لیکن ہم ابھی تک اِس اُمید پر زندہ ہیں کہ وہ ادارے ایک دن ہمارے حوالے کر دیے جائیں گے۔

مسیحی طرزِ زندگی اور عبادت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہفتہ وار چھٹی کا اتوار کے بجائے جمعہ کو ہونا ہے۔ لیکن سیاست میں بالعموم معیشت یا دولت کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ شاید اِسی راہ سے کوئی تبدیلی ہوگی۔ ممکن ہے کہ حکومت سیاسی قوت حاصل کرنے پر ماضی کے فیصلوں کو بدل دے۔

۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء کا دن، یقیناً لاہور ڈایوسیس کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس روز بشپ ارمانڈو ٹریندادٗ کا تقرر لاہور کے پہلے پاکستانی بشپ کے طور پر کیا گیا تھا۔ اُن کے دورِ قیادت اور پیش رفت کے بارے میں تاریخ ہی فیصلہ دے گی، لیکن ہماری مخلصانہ اُمید اور دعا ہے کہ جو بیج بوئے گئے ہیں، اُن سے پہلے سے زیادہ بہتر فصل اُگے۔

کراچی کے مسیحی ادارے جو قومی تحویل میں لیے گئے۔

غیر سرکاری شعبے میں تعلیمی اداروں کا قیام اسلامی اور جمہوری معاشروں کی روایت رہی ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور برصغیر کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی اسلامی انجمنوں کے